بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیغام صلح لاہور

جلد ۱۳ مورخہ ۷ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۲۵ء نمبر ۱

اسلام کی ترقی کا راز

اشداء علی الکفار رحماء بینھم

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر جو جلسہ سالانہ منعقدہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۴ء میں آپ نے فرمائی

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق ۔۔۔ الی ۔۔۔ الخ وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات منھم مغفرۃ واجرا عظیما ۔ پڑھکر فرمایا ۔

یہ سورۂ فتح کا آخری رکوع ہے۔ جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے پڑھا ہے۔ اس سورت کا مضمون ہی اسلام کی فتح ہے کوئی ملکی فتح نہیں بلکہ مذہب اسلام کی فتح۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک ہی ایسا موقع ہے جس پر گو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مقابل میں شکست تو نہیں ہوئی۔ کیونکہ لڑائی کوئی نہیں ہوئی۔ لیکن شرائط آپ نے ایسی تسلیم کر لیں۔ جیسے ایک شکست خوردہ فریق مانتا ہے۔ اور اسی موقع کو قرآن نے اسلام کی فتح قرار دیا ہے۔ اس موقعہ پر بعض صحابہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ باوجود حق پر ہونے کے ایسی شرائط کیوں مان لی گئی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اظہار رسول اللہ صلعم کے حضور میں کیا۔ اور ان الفاظ میں کیا۔ فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا ۔ جب ہم حق پر ہیں تو اس قسم کی شرائط جو ہمی طور پر ذلت وارد کرنے والی ہیں کیوں قبول کر لی گئی ہیں۔ اور وہ ذلت وارد کرنے والی شرائط کیا تھیں۔ ایک بڑی شرط ان میں سے یہ تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کفار کے ساتھ جا ملیں وہ ان کو واپس نہیں کریں گے۔ لیکن اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں سے جا ملے تو انہیں اس کو واپس کرنا ہوگا۔ یہ شرط مسلمانوں پر بہت شاق گذری شرائط صلح تو چاہیے تھا کہ دونوں فریق کے لئے یکساں ہوتیں۔ اگر یہ تھا کہ کفار میں سے کوئی اسلام لے آئے۔ تو واپس کفار میں بھیج دیا جائے تو اس کے بالمقابل چاہیے تھا کہ [illegible] جا ملے، وہ بھی اسے واپس کر دیں۔ لیکن نہیں فیصلہ یہی ہوا۔ کہ کفار کسی مرتد کو واپس نہیں کریں گے لیکن مسلمان ایک ایمان لانے والے کو واپس کر دیں گے۔ مرتد کو واجب القتل بنانے والے پہلے اسی پر غور کریں کہ محمد رسول اللہ صلعم کفار کے ساتھ عہد نامے میں یہ شرط تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے۔ تو وہ اسے واپس کفار میں لوٹا دیں گے۔ غور فرمایئے کہ کیا مرتد کی سزا قتل ہو سکتی ہے جب محمد رسول اللہ صلعم اس قسم کی شرائط تسلیم کرتے ہیں۔ اگر آپ کے مذہب میں مرتد واجب القتل ہوتا۔ اگر شریعت نے ارتداد کی سزا قتل قرار دی ہوتی۔ تو محمد رسول اللہ صلعم اس شرط کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔

اس سفر سے واپس ہوئے تو سفر میں ہی یہ سورت نازل ہوئی جو اس طرح شروع ہوتی ہے، انا فتحنا لک فتحا مبینا ۔ ہم نے تیری فتح مبین کر دی ہے۔ جس وقت یہ سورت اتری۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو یاد فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ میں ڈر گیا کہ بارگاہ نبوی میں گستاخی کی تھی۔ کوئی عتاب نازل ہوگا۔ جب حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو یہ سورت سنائی۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلعم کیا یہی فتح مبین ہے۔ (یعنی صلح حدیبیہ) آپ نے فرمایا ہاں۔ اور یہ کوئی فرضی بات نہیں۔ جیسے لوگ اپنی ذلت کو ڈھانکنے کے لئے بڑے بڑے دعوے کر دیتے ہیں۔ مثلاً ناکامی ہوئی تو کہہ دیا کہ آسمان پر ہماری فتح ہوئی ہے۔ آپ نے جو صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔ اس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے، واپس آکر رسول اللہ صلعم کا تمام بادشاہوں کو خطوط لکھنا ان کو دعوت اسلام دینا یہ بتاتا ہے۔ کہ فی الحقیقت یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ اس کے بعد ایک ڈیڑھ دو سال کے عرصہ میں اس قدر لوگ اسلام میں داخل ہوئے، کہ اس سے پہلے کئی سالوں میں اس قدر داخل نہ ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے وقت آپ کے ساتھ تیرہ چودہ سو صحابہ تھے، لیکن فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے۔

تو اس سورت کو فتح مبین فرمایا۔ اور اسی کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفی باللہ شھیدا ۔ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور اللہ کی گواہی اس پر کافی ہے۔ اس سورت کے آخر میں اس آیت کو لاکر بتا دیا۔ کہ وہ فتح مبین کیا ہے۔ فتح مبین یہی ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اس غلبہ کا ذکر کرنے کے بعد دین اسلام کی اس عظیم الشان فتح کی خبر دینے کے بعد فرماتا ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا ۔ محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ اشداء ہیں کافروں پر اور رحماء ہیں آپس میں۔ میں ابھی ان لفظوں اشداء اور رحماء کے کوئی معنے نہیں کرتا، یہ دو صفتیں [illegible] کی بیان کی ہیں۔ اور ایسے ہی تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا تو انہیں دیکھتا ہے، کہ وہ رکوع اور سجدہ میں خدا کے حضور جھکے رہتے ہیں۔ اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا۔ کہ یہ جو دین کے غلبہ کی خوشخبری دی ہے تو ابھی تو وہ زمانہ ہے۔ کہ مدینے سے باہر اس کا کوئی اثر نہیں۔ ابھی تو اس کی وہ حالت ہے۔ کزرع اخرج شطاہ جیسے ایک دانہ کو زمین میں پھینک دیا جائے۔ اور اس سے ایک کونپل سی باہر نکلے، فآزرہ پھر وہ حالت آئیگی کہ وہ بڑھے گا۔ فاستغلظ پھر مضبوط ہوگا۔ فاستوی علی سوقہ پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو جائے گا۔

تو بتایا کہ دین اسلام کی ترقی جس کا وعدہ دیا گیا ہے، اسی طرح پر تدریجا ہوگی۔ یہ ایک درخت ہے جس کا بیج لگ گیا۔ اور اب یہ بڑھیگا پھیلے گا اور پھل لائے گا۔ اب یہاں جو فرمایا اشداء علی الکفار رحماء بینھم ۔ تو ان کو اس موقعہ پر لاکر بتا دیا۔ کہ یہ وہی باتیں مسلمانوں کی ترقی کا اصل راز ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اشداء کیا چیز ہے۔ رحماء کے معنے تو سمجھ آتے ہیں۔ آپس میں رحم کرنے والے۔ اور اسلام کی اخوت بھی مشہور ہے۔ جس کو مخالف و موافق سب جانتے ہیں۔ لیکن اشداء کا لفظ پیش کر کے ہمیشہ اسلام پر حملہ کیا جاتا ہے۔ جہاں کہیں [illegible] صلح و محبت کو قائم کرتا ہے۔ تو وہیں سوال ہوتا ہے کہ اشداء علی الکفار کا کیا مطلب ہے۔ اور شدت والوں سے کیا مراد ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کافروں پر بڑی سختی کرنے والے۔ کس قسم کی سختی؟ کسی کا خیال ہوگا کہ ذلیل کر کے ماتحت رکھیں۔ اور ان کو خوب کچلتے رہیں۔ کوئی اس سے اتر کر یہ خیال کرتا ہوگا۔ کہ ان کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ نہ کیا جائے، اور ہمارے بعض تفسیر نویسوں نے بھی اسی قسم کے معنے کئے ہیں کوئی تو کہتا ہے غضوبا عبوسا فی وجوہ الکفار ۔ کافروں کے سامنے سے جب گذریں۔ تو غصہ میں بھرے ہوئے تیوری چڑھی ہوئی ہو۔ گویا کہ ابھی کھا جائیں گے اور کسی نے معنی کئے ہیں۔ غلاظ علیھم کما یغلظ الاسد علی فریستہ ۔ ان پر ایسے غضب آلود ہوں۔ جیسے شیر اپنے شکار پر غضب آلود ہوتا ہے۔ اور اس کے آگے لفظ لکھے ہیں۔ فلا یرحمونھم ان پر کوئی رحم نہیں کرتے۔ یہ الفاظ تو ہماری تفسیروں میں پائے جاتے ہیں۔ کسی نے یہ بھی معنے کئے ہیں۔ کہ ان کے جسم ہمارے جسموں کو نہ چھوئیں۔ اور نہ ان کے لباس ہمارے لباسوں کو چھوئیں۔

یہ تو میں جانتا ہوں کہ کوئی بھی مسلمان قوم کسی زمانہ میں ایسی نہیں ہوئی جس نے اس قسم کا سلوک غیر مسلموں سے کیا ہو، خواہ وہ کفار پر حکمران ہوں۔ یا مساوی حیثیت میں یا ان کے ماتحت ہو کر رہے ہوں۔ تاریخ اسلام کوئی پتہ نہیں دیتی۔ کہ ان تین حیثیتوں میں سے کسی حیثیت میں بھی انہوں نے ایسی حالت اختیار کی ہو جو ہمارے مفسرین نے بیان کی ہے۔ کیا آپ نے کسی مولوی کو دیکھا کہ کسی کافر کے سامنے غضوباً عبوساً ہو جاتے ہیں، ایسے تو بہت ہیں جو مسلمان سامنے آجائے۔ اور ان سے کوئی سوال کر بیٹھے۔ تو اس پر غضبناک ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں۔ جو ہر وقت غضبناک اور تیوری چڑھائے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ حالت غیر مسلموں سے خاص نہیں۔

تو تفسیر نویسوں کا مذہب صرف تفسیروں کے اندر لکھا ہوا ہے، عمل کے اندر کبھی نہیں آیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہاں اشداء علی الکفار کن کی صفت بیان ہوئی ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ کی۔ اس لئے اگر سب سے بڑا نمونہ اشداء علی الکفار کا دیکھنا ہو۔ تو کہاں دیکھنا ہوگا۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی مل سکتا ہے، یہاں تو آپ کا نام بھی موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ رسول اللہ بھی فرمایا ہے۔ اس لئے سب سے بڑا نمونہ جو ہوگا۔ تو وہ خود ذات نبوی میں ہی ہونا چاہیے۔ پس آنحضرت صلعم کا نمونہ اس بارہ میں کیا ہے۔ جن معنوں میں آپ اشداء علی الکفار تھے۔ انہی معنوں میں ہم بھی ہوں گے۔ قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت ہے۔ عبس وتولی ان جاءہ الاعمی ۔ تیوڑی چڑھالی۔ اور منہ پھیر لیا کہ ایک اندھا آگیا۔ اگر تیوڑی چڑھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہوتی۔ تو یہ سورت نہ آتی۔ اور اس وقت تو کفار قریش سے آپ کی باتیں ہو رہی تھیں۔ [illegible] سے عتاب کیوں آگیا؟ اس واقعہ پر اس سورت کے نزول سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالے نے نبی کریم صلعم کے لئے یہ پسند نہیں کیا۔ کہ آپ کے اخلاق فاضلہ پر تیوڑی چڑھانے کا داغ ہو۔ رؤف رحیم کے اخلاق کے شایان شان یہ امر نہ تھا اس لئے فوراً تنبیہہ ہوئی۔ وحی الٰہی تو آخر انسان کی قلبی کیفیت کے مطابق نازل ہوتی ہے، تو کیا جہاں ایک ذرا سی تیوڑی پر یہ وحی نازل ہوتی ہے۔ اس قلب کے اندر غضب اور غلظت اور شدت وغیرہ پیدا ہو سکتی ہے، قرآن فرماتا ہے۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ۔ کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا اس غم میں کہ وہ مسلمان نہیں ہوتے۔ جس شخص کے دل کی یہ حالت ہو۔ کہ اس کا دل کفار کے غم میں پگھلا جاتا ہے، اس کے دل میں تو رحم بھرا ہوا ہے نہ رحم کرنے کے معنے کیا ہوئے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ فلا تذھب نفسک علیھم حسرات ۔ بتلاؤ جس شخص کی یہ حالت ہے۔ کہ غم کے اندر پگھلا جاتا ہو۔ کیا وہ ایسی حالت پیدا کر سکتا ہے جیسی کہ مفسرین نے لکھی ہے۔ قرآن تو فرماتا ہے لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک ۔ فظ اس کو کہتے ہیں جو سختی کے ساتھ کلام کرے

جس کی طبیعت میں سخت گوئی ہو، تو فرمایا۔ اگر تو سخت گو اور سخت دل ہوتا تو تیرے پاس سے سب لوگ بھاگ جاتے، یہاں آپ سے ہر قسم کی شدت کی نفی کی ہے نہ آپ میں سخت گوئی ہے نہ سخت دلی یعنی دل میں بھی رحم کا دریا جوش مار رہا ہے۔ اور زبان پر بھی نرمی اور محبت کا کلام ہے، پھر کفار کی تکالیف کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان کی تکالیف پر رسول اللہ صلعم کی کیا حالت ہوتی ہے۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم۔ وہ جو چیز تم کو تکلیف پہنچاتی ہے، وہ رسول اللہ صلعم کو بھی شاق گذرتی ہے اور وہ تمہاری بہتری پر حریص ہے یعنی تمہاری بہتری کی آرزو بھی اس کے دل میں ہے، یہ کفار کو کہا گیا اس کے آگے مومنوں کا ذکر علیحدہ کر دیا۔ بالمومنین رؤف الرحیم۔ جب کفار کے ساتھ ان کی تکالیف پر صدمہ پہنچتا ہے تو مومنوں کے لئے تو اس کا دل کمال راحت سے بھر جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے کہ مومنوں کے لئے رؤف رحیم کہا۔ گویا رحم کو صرف مومن سے مخصوص کیا۔ لیکن نہیں قرآن کریم آپ کی تصویر رحم کو کمال تک پہنچاتا ہے۔ فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ ہم نے تجھے تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنو ہے۔ جب کسی کے لئے آپ سے بددعا کی درخواست کی گئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ انی لم ابعث لعانا انما بعثت رحمۃ۔ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو آپ صرف مسلمانوں کے لئے رحمت نہیں۔ صرف عرب کے لئے رحمت نہیں بلکہ ہر مذہب و ہر ملت کے لئے ہر قوم اور ہر ملک کے لئے رحم ہیں۔

یہ آیت واقعی ایک بڑی عجیب آیت ہے۔ جو رسول اللہ صلعم کی حقیقی تصویر کو کھینچتی ہے، آج آپ کی کس قدر غلط تصویر کھینچی جاتی ہے۔ کہ آپ کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور ایک میں قرآن اور ہمارے علما اس کی تردید کرنے کے بجائے اسی کی تائید کرتے ہیں۔ اب اس آیت کے سیاق و سباق کو دیکھو اس سے پہلے فرمایا۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ان فی ھذا لبلغا لقوم عبدین۔ زبور میں ہم نے ذکر کے بعد لکھ دیا ہے۔ کہ زمین کے وارث ہمارے صالح بندے ہوں گے۔ اس میں عبادت کرنے والے لوگوں کے لئے ایک بشارت کو پہنچا دیتا ہے اس کے بعد فرمایا۔ وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ بظاہر ان دونوں آیتوں کا تعلق نظر نہیں آتا، کہ آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کو زمین کی وراثت سے کیا تعلق ہے لیکن فی الحقیقت اگر قرآن پر غور کیا جائے۔ تو ایسے ہی موقعہ پر ذوق آتا ہے۔ جب کبھی کوئی مشکل مقام آئے اور تھوڑا سا غور کیا جائے، تو وہ حل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس تعلق کے معلوم ہونے پر طبیعت اس قدر ذوق سے بھرتی ہے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تو زبور کی جس پیشگوئی کا ذکر کیا۔ اس میں کیا خوشخبری تھی۔ یہی کہ یہ مسلمان اب ہمارے صالح بندے ہیں۔ یہ اب ملک کے مالک ہوں گے لیکن جو قوم کسی ملک کی مالک بنتی ہے۔ وہ اپنے سے پہلے لوگوں کو تباہ کر کے ہی بنتی ہے، تو فرمایا یہاں یہ بھی نہیں ہوگا۔ ہم ان کو بھی ہلاک نہیں کریں گے۔ جو تم سے پہلے ملک پر قابض ہیں۔ کیونکہ ہم نے تم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے قرآن میں جگہ جگہ قوموں کی تباہی کا ذکر ہے۔ اس لئے جب مسلمانوں کو بشارت دی تو صاف طور پر بتا دیا۔ کہ یہ اس لئے نہیں دی کہ پہلے لوگوں کو تباہ کر دیں۔ بلکہ ان کے لئے بھی رحمت ہی ہے۔ وہ بشارت پہلے لوگوں کو ہلاک کر کے پوری نہ ہوگی بلکہ ان کو ہدایت پر لا کر پوری ہوگی۔ دشمن سے محبت کرو۔ صرف ایک دل خوش کن فقرہ ہے فی الحقیقت دشمن سے محبت کس نے کی۔ اس کا نقشہ محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ آپ ہی کا وجود دشمنوں کے لئے بھی فی الحقیقت رحمت ثابت ہوا۔ کہاں کہاں آپ کا وجود رحمت ثابت ہوا۔ تاریخ کو دیکھنے سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ جہاں دیکھو گے محمد رسول اللہ صلعم کے مخالف تباہ نہیں ہوئے، بلکہ بالآخر ہدایت یاب ہوئے۔ اور دوسرے انبیاء کے مخالف عموماً تباہ ہوئے۔ چنانچہ قریش کی جو آپ کے شدید ترین مخالف تھے یہی حالت ہوئی۔ یعنی باوجود ایذا کے سارے پہلوؤں کے بالآخر ان پر رحم کر کے انہیں راہ ہدایت پر لایا گیا۔ اور ان کا نام و نشان نہیں مٹایا گیا جس طرح فرعون یا پہلے لوگوں کا نام و نشان مٹایا گیا۔ اس کے بعد ترکوں نے عباسیہ کو ہلاک کیا۔ ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے لیکن ترکوں پر تباہی نہیں آئی۔ بلکہ ہدایت نصیب ہوئی اور آج بھی ایسا ہی ہوگا۔ کہ وہ جو اسلام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں [illegible] ان کو

حکومت نہیں دلائے گا۔ بلکہ وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین کے ماتحت ان کو بھی ہدایت ہی نصیب ہوگی۔ یہ رحمۃ للعالمین کی صفت کا تقاضا ہے جو اس کو برا مانتا ہے، وہ ناحق اپنے آپ کو جلاتا ہے۔

اب میں آپ کو تاریخ سے چند باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ کہ یہ جو آپ کو بددعا کے لئے کہا گیا۔ اور آپ نے فرمایا میں لعان بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو آپ کا اپنا طرز عمل اس کا کہاں تک شاہد ہے۔ فی الحقیقت منہ سے کہہ لینا آسان ہوتا ہے، میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں لیکن جب موقع پیش آئے۔ اس وقت پتہ لگتا ہے۔ کہ کہاں تک وہ بات صحیح ہے، حضرت مسیح نے کہا کہ دشمن سے محبت کرو لیکن یہ تب صحیح ثابت ہوتا جب دشمن مغلوب ہو کر آپ کے سامنے آتے اور آپ ان سے اس وقت محبت کرتے۔ محمد رسول اللہ صلعم کے سامنے دشمن مغلوب ہو کر آتے ہیں۔ اور آپ انہیں معاف کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے دکھ ان سے پہنچتے ہیں۔ مگر آپ کے منہ سے بددعا نہیں نکلتی۔ جب نکلتی ہے نیک دعا ہی نکلتی ہے۔ طائف میں یہ سمجھ کر آپ گئے کہ یہ لوگ ہدایت قبول کر لیں گے۔ لیکن وہاں جب تبلیغ حق کی۔ تو نتیجہ وہاں سے مار کر نکالا گیا۔ اور آپ پر دونوں طرف گندے بدمعاش کھڑے ہو گئے۔ اور وہ آپ پر پتھروں کی بارش کرتے، جس سے آپ کی پنڈلیاں زخمی ہو گئیں۔ جب آپ کسی موقعہ پر درد کی تکلیف سے بیٹھ جاتے۔ تو ایک ان میں سے آ کر اٹھا دیتا اور پھر اینٹیں پڑنے لگتیں۔ یہ موقعہ تھا دیکھنے کا کہ آیا اس شخص کے دل میں فی الحقیقت رحمت ہے یا یہ نرا زبانی دعوے ہے۔ لکھا ہے کہ جب آپ شہر سے باہر نہایت تکلیف کی حالت میں بیٹھے تھے، تو ملک الجبال آیا۔ اور اس نے کہا کہ اگر حکم ہو۔ تو میں پہاڑ کو اٹھا کر اس بستی پر الٹ دوں لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں میں امید کرتا ہوں۔ کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے۔ جو ہدایت کو قبول کریں گے۔ یہ آپ کے دل کی حالت کا نقشہ ہے، کوئی بناوٹ کوئی تکلف اس کو پیدا نہیں کر سکتا لفظ بناوٹ کے ساتھ کہے جا سکتے ہیں لیکن یہ عملی حالت بناوٹ سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ وقت جو انتہائی مصیبت کا ہے، جس میں نہایت بے کسی اور دکھ کی حالت ہے۔ اس وقت بددعا پر تیار نہیں۔ اس وقت بھی رحمت ہی جوش مارتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سخت ترین دشمنوں کے لئے بھی اس قلب مبارک کے اندر رحمت ہی رحمت تھی غیظ و غضب نہ تھا۔ انتقام کی ادنے سے ادنے خواہش نہ تھی۔ [illegible] فطرت کا اصل نقشہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ جب کوئی کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو اس وقت انسانی قلب کی کیا حالت ہوتی ہے۔ دعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ اس وقت ایک خدا ہی کو پکارتے ہیں۔ کیونکہ فطرت میں تو بت پرستی کوئی نہیں۔ ایک خدا ہی ہے تو اسی کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح سے رسول اللہ صلعم کے اوپر ایسے سخت دکھ اور مصیبت لا کر اور یہ لفظ آپ سے کہلوا کر بتا دیا۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم کے قلب کا نقشہ یہ ہے کہ اس کے اندر رحم ہی رحم اور محبت ہی محبت بھری ہے۔

احد کی جنگ تھی۔۔۔ آپ کا سر مبارک لہولہان تھا۔ گرے پڑے تھے دانت شہید ہو چکے تھے صحابہؓ اردگرد زخموں سے چور کھڑے تھے۔ آپ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ شہید ہو چکے تھے، بہت سے صحابہؓ بھی شہادت پا چکے تھے کسی نے کہا یا رسول اللہ صلعم کفار کے لئے بددعا کیجئے۔ اس وقت ہاتھ اٹھائے، اور کیا کہا۔ اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون۔ اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ وہ نہیں جانتے۔ آہ افسوس آج ہمارے علما کیا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ جو کہ دشمن کہتے ہیں وہ صحیح ہے۔ اور فی الواقعہ محمد رسول اللہ صلعم نے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں قرآن لیا ہوا تھا۔ ایک دو واقعات نہیں تاریخ کو پڑھ لو میں آپ کو سچے دل سے بتاتا ہوں۔ کہ اسلام کی صداقت محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت صحابہؓ کی صداقت کا اگر ثبوت چاہتے ہو، تو ان کی زندگی کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک موقعہ پر جنگ حنین میں نبی کریم صلعم نے دشمن کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ایک مہینہ محاصرہ کئے ہوئے ہو گیا۔ اور وہ قوم دبتی ہوئی نظر نہ آتی تھی۔ ان کے پاس سامان رسد کافی تھا۔ اس لئے اطمینان سے شہر کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کہا یا رسول اللہ۔ ان کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ نے دعا کی اللھم اھد ثقیفا وائت بھم۔ اے اللہ تو ثقیف کو ہدایت فرما اور ان کو میرے پاس لے آ۔ ثقیف اس قوم کا نام تھا، چنانچہ محاصرہ اٹھا لیا [illegible] اور تھوڑی دیر بعد وہ لوگ مسلمان

ہو گئے۔ ایک اور چھوٹا سا واقعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو تو آپ لوگ جانتے ہیں۔ ان کی ماں بڑی سخت تھیں۔ ایک دن ان کی موجودگی میں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی سخت گالیاں دیں۔ وہ آئے اور کہا یا رسول اللہ آج مجھے بڑا ہی دکھ پہنچا ہے، میری ماں نے میرے منہ پر آپ کو گالیاں دی ہیں۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر جو حضرت ابو ہریرہؓ گھر گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی والدہ غسل کر رہی ہیں۔ پوچھا کیا ہو رہا ہے کہا کہ نہاتی ہوں تاکہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤں۔

یہ تاریخی واقعہ ہے اسی طرح سے جس قدر چاہتے ہو۔ تاریخ کے اندر ایسے ہی واقعات دیکھ لو جس وقت کوئی ایسا موقعہ آتا ہے جب غیظ و غضب آنا چاہئے، تو اسی وقت آپ سے رحمت کا اظہار ہوتا ہے، کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ایسا شخص اشداء علی الکفار کا ان معنوں میں مصداق ہو سکتا ہے۔ کہ کافروں کے لئے دکھ چاہنے والا۔ ان کے لئے غیظ و غضب رکھنے والا اور انہیں دکھ دینے والا ہو؟ آج ہمیں بھی غیر مسلموں سے کچھ نہ کچھ سلوک کرنا پڑتا ہے، ہم ایک فعل کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لئے سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ ہمارے کسی فعل سے محمد رسول اللہ صلعم کا نام بدنام ہو۔

ایک موقع پر جنگ کرتے کرتے مسلمانوں سے مشرکین کے کچھ بچے بھی قتل ہو گئے۔ اس زمانہ میں عورتیں اور بچے بھی لڑائی میں ساتھ ہوتے تھے کیونکہ گھر بار ساتھ ہی ہوتا تھا۔ اس لئے عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہوتے تھے۔ جب آپ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا۔ الا لا تقتلوا الذریۃ۔ خبردار مشرکوں کی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اور وجہ بیان فرمائی۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ۔ ہر ایک بچہ اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر فرمایا۔ الا ان خیارکم ابناء المشرکین۔ مشرکوں کے بیٹے تم میں سے بہت اچھے ہیں۔

پھر آپ کفار سے ہدیئے لیتے تھے، اور ان کو ہدیئے دیتے تھے ہدیئے لینا اور دینا آپس میں محبت بڑھانے کا سب سے بہتر طریق ہے۔ اگرچہ آج مسلمانوں نے اسکو بھی چھوڑ دیا ہے۔ لیکن آپ کفار سے ہدیئے لیتے اور ان کو دیتے تھے۔ چنانچہ بخاری کے اندر باب باندھے ہیں۔ الھدیۃ للمشرکین۔ قبول الھدیۃ من المشرکین۔ مشرکوں کو ہدیئے دینا اور ان سے ہدیئے لینا یہ صاف طور پر بخاری میں باب موجود ہیں یہ بعد کا واقعہ ہے۔ جب مسلمان بادشاہ اور غیر قوموں پر حکمران تھے۔ ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک نابینا بڑھا آدمی مانگ رہا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیوں۔ کہا گیا۔ جزیہ دینے کے لئے خیرات مانگتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس پر جزیہ نہیں۔ بلکہ اس کو بیت المال سے وظیفہ دیا جائے۔ اور ایسا ہی تمام ان یتیموں کے وظائف مقرر کر دیئے۔ جو کمانے سے معذور تھے۔ اور یہ حکم دے کر اس کی شہادت کہاں سے لی۔ انما الصدقت للفقراء والمسکین [illegible] آپ نے فرمایا۔ فقراء مسلمان غریب ہیں۔ اور مساکین غیر مسلم غریب ہیں۔

پھر کفار کی مہمان نوازی رسول اللہ صلعم نے خود کی ہے۔ ایک دفعہ آپ کے گھر میں ایک مشرک مہمان آیا آپ نے ایک بکری دوہی وہ پی گیا۔ دوسری دوہی وہ پی گیا۔ تیسری دوہی وہ پی گیا۔ چوتھی دوہی وہ پی گیا۔ سات بکریاں آپ کے پاس تھیں۔ ان سب کا دودھ پی گیا۔ اور آپ خود گھر کچھ نہیں لے گئے۔ نہ اس مہمان کے ساتھ ذرا بھی ترشروئی اختیار کی۔ اسی کا اثر تھا کہ جب صبح ہوئی، تو اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ ایسا ہی ایک مشرک نے آپ کے بستر کو غلیظ کر دیا، آپ خود اسے دھونے بیٹھ گئے۔ صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم ہم دھوتے ہیں۔ فرمایا مہمان میرا تھا۔ اس لئے میں ہی دھوؤں گا۔

یہ ہے اشداء علی الکفار۔ قرآن کی تفسیر محمد رسول اللہ صلعم کے عمل سے کرو، پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ کفار سے کیا سلوک کرتے ہیں۔ وہ کافروں کے متعلق کیسا خیال ہے، کہ ان کو دیکھتے ہی دل غصہ سے بھر جاتا ہے۔ ان کے ساتھ آپ کا یہ سلوک ہے، جو آج دوست دوست کے ساتھ بھی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ عیادت کرتے تھے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ غیر مسلموں کی۔ تاریخ میں ہے کہ آپ فلاں موقعہ پر فلاں یہودی کی عیادت کے لئے گئے۔ آج ہم اپنوں کی بھی عیادت نہیں کرتے اپنوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ اور اپنے کاموں میں مصروف

رہتے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلعم کے پیرو بننا چاہتے ہو تو اپنے کاموں کو کم وقعت دو اور اخلاق کو زیادہ۔ آپ کفار کے جنازہ پر بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا۔ آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا کیا وہ تم جیسا انسان نہ تھا؟ میں اپنے دوستوں کو بالخصوص توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت بہت قلیل ہے، اس لئے اس فرض کا ادا کرنا ضروری ہے، جب کبھی کوئی جماعت سے بیمار ہو۔ اس کی عیادت کرنا اور اگر مر جائے۔ تو اس کے جنازہ کے ساتھ جانا تم پر فرض ہے کسی حالت میں اس فرض کو بھولنا نہیں چاہئے۔

پھر رسول اللہ صلعم نے کسی حالت میں بھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ جتنے اور جذبے آپ کے اندر ہو سکتے ہیں۔ ہوں۔ لیکن انتقام کا جذبہ مفقود ہے، فتح مکہ کے موقعہ پر جتنے بھی دشمن اور جان کے پیاسے تھے۔ ان سب کو معاف کر دیا ایک عکرمہ بن ابوجہل وہاں سے اس خیال سے بھاگ گیا۔ کہ کہیں جان سے نہ ہو ڈالیں۔ اس کی بیوی امان لے کر اس کے پاس پہنچی۔ اور اسے واپس لائی۔ آیا۔ جب وہ آپ کے سامنے پہنچا تو گھوڑے پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا مرحبا بالمہاجر الراکب۔ اس سوار مہاجر کو مرحبا۔ ایک دفعہ ایک سخت دشمن قوم کا رئیس گرفتار ہو گیا۔ اس کو آپ نے قید کر دیا۔ صبح جا کر اس سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو۔ کہ کیا سلوک تم سے ہو۔ اس نے کہا اگر آپ قتل کریں گے تو آپ ایک خونی کو قتل کریں گے۔ اور اگر چھوڑ دیں گے تو ایک شکر گزار کو چھوڑ دیں گے۔ آپ نے اسے تین دن قید رکھ کر آزاد کر دیا۔ آزاد ہوتے ہی تھوڑی دور گیا اور غسل کر کے واپس ہوا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ جب مسلمان ہوا تو کہا۔ یا رسول اللہ آپ سے زیادہ کوئی شخص میرے نزدیک مبغوض نہ تھا۔ کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ برا نہ تھا۔ کوئی مذہب آپ کے مذہب سے بدتر نہ تھا لیکن اب آپ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں۔ آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مرغوب نہیں۔ آپ کے مذہب سے زیادہ کوئی مذہب پسندیدہ نہیں،

یہ اثر تھا ان اخلاق کا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائے لڑائیاں آپ نے ضرور کیں۔ لیکن ان کے آپ کا قلب جو ہے وہ محبت اور رحمت سے بھرا ہوا ہے، لڑائی جنگ خونریزی تک کر کے لوگ آپ سے معافی پاتے۔ اور آپ کی رحمت کے وارث بنتے ہیں۔

(باقی پھر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیغام صلح
لاہور

جلد ۱۳ | ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۲۵ء | نمبر ۱۹

اسلام کی ترقی کا راز

اشداء علی الکفار رحماء بینھم

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر جو جلسہ سالانہ منعقدہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۴ء میں آپ نے فرمائی

(گذشتہ سے پیوستہ)

اسی طرح اگر آپ صحابہؓ کی تاریخ کو پڑھیں۔ تو اس قسم کے واقعات وہاں بھی نظر آتے ہیں جن میں کفار کے ساتھ ملاطفت ہی کا برتاؤ کیا گیا ہے لیکن ایک شخص کہہ سکتا ہے، کہ اگر یہ حالت تھی تو قرآن کے اندر تو لفظ آتے ہیں۔ اشداء علی الکفار۔ یا ایہا النبی جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیھم۔ تو کیا مطلب ہے، کہ قرآن کے حکم کے خلاف رسول اللہ صلعم نے کیا؟ اصل میں بعض وقت ادنیٰ سی غلطی بھی ٹھوکر کا موجب ہوتی ہے، شدت کا لفظ اصل میں قوت اور طاقت پر بولا جاتا ہے، لغت میں رجل شدید القوی یعنے رجل شدید کے معنے ہیں۔ قوی آدمی۔ تو اصل معنے کیا ہیں۔ اشداء علی الکفار کے۔ بڑے مضبوط ہیں کفار کے مقابلہ پر وہ معنے جو ہمارے ذہنوں میں ہیں۔ یا جن کو مفسرین نے لکھ دیا ہے، بالکل غلط ہیں صحیح معنے یہ ہیں کہ جب کفار کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے، اور وہ تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا حالت ہوتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی۔ اشداء وہ پہاڑ کی طرح مضبوط ہو جاتے ہیں ان کے مقابلہ میں۔ اور ان کا کوئی خوف ان کے دلوں میں نہیں ہوتا یہی نقشہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ جب کبھی کفار سے مقابلہ پیش آیا ہے، تو باوجود کمزور ہونے کے ایسی قوت اور مضبوطی کا اظہار کیا ہے، کہ دشمن اپنی بڑی بڑی جمعیتوں کے باوجود ان پر غالب نہیں آسکے، جنگ بدر میں مسلمانوں کے بالمقابل تگنا لشکر ہو گیا۔ جنگ احد میں چوگنا لشکر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور جنگ احزاب میں تو دشمن کی جمعیت بہت بڑی تھی لیکن ان تینوں میں پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں نے مقابلہ کیا۔ ایک دفعہ تین ہزار صحابہؓ نے دشمن کی ایک لاکھ فوج کا مقابلہ کیا۔ اور وہ ذرا مرعوب نہیں ہوئے۔ یہی دو باتیں ہیں جو اسلام کی ترقی کا موجب ہیں۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ کفار کا مقابلہ مضبوطی اور قوت کے ساتھ کام کرنے والے اور باہم رحم اور محبت سے پیش آنے والے۔ بالفاظ دیگر کفار سے نہ دبنے والے ان کے سامنے نہ جھکنے والے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے دبنے والے اور ایک دوسرے کے سامنے جھک جانے والے اسی طرح سے دوسرے الفاظ کو دیکھ لو۔ اعزۃ علی الکافرین اذلۃ علی المؤمنین کافروں کے بالمقابل مضبوط اور مومنوں کے سامنے جھکنے والے یہ تھی۔ اصل خوبی جس نے فی الحقیقت مسلمانوں کو غالب کیا۔ یہ خوبی کہاں سے پیدا ہوئی؟ فرماتا ہے۔ تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ یہ خدا کے آگے جھکنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اشداء اور رحماء دو متضاد باتیں ہیں۔ جب ایک قوم شدت اختیار کرتی ہے، تو پھر اس میں نرمی کا پہلو نہیں رہتا۔ اس کی ہر بات میں شدت پائی جاتی ہے، لیکن ان مسلمانوں میں ایک ہی وقت میں دو باتیں پیدا کر دیں۔ وہ سخت بھی ہیں اور نرم بھی۔ دشمن کے مقابل میں لوہے کی طرح ہیں آپس میں موم کی طرح۔ ایک ہی انسان تھے ایک موقعہ پر اس قدر مضبوط اور سخت تھے کہ بڑی سے بڑی طاقت سے بھی دبنے والے نہ تھے اور دوسرے موقعہ پر اس قدر نرم تھے کہ باہم ہر بات میں دب جانا ان کا طریق تھا۔ یہ خوبی نماز سے ان میں پیدا ہوئی۔ بڑی چیز ہے نماز جس نے اس قدر متضاد صفات ان کے اندر پیدا کر دیں۔ سختی بھی پیدا کی اور نرمی بھی مگر یہ نماز سے کس طرح دو متضاد باتیں پیدا ہو گئیں۔ نماز میں تو جھکنا ہی جھکنا ہے۔ کیا اس سے بڑھکر کوئی ذلت پیدا ہو سکتی ہے، حد درجہ کی ذلت اور نرمی نماز پیدا کرتی ہے، مگر یہ شدت کس طرح پیدا کر دیتی ہے، شدت اس طرح پیدا ہوتی ہے۔ کہ جو شخص خدائے واحد کے آگے گرتا ہے، وہ کسی دوسرے کے آگے نہیں جھکتا۔ خدائے واحد کے آگے گرنے سے ہی وہ [illegible] پیدا ہوتی ہے۔ جو دوسروں کے آگے گرنے سے بچاتی ہے یہی وہ شدت ہے، جو دشمن کے مقابلہ پر اس سے وہ کارنامے نمایاں کراتی ہے جس کی نظیر کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکتا۔

فی الحقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک نہیں دو معجزے دکھائے ہیں۔ وہ لوگ جو ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسرے کے گلے کاٹنا جانتے تھے، جن کو رات دن لڑائی اور تلوار چلانے کے سوا اور کوئی شغل نہ تھا۔ دو معجزے نبی کریم صلعم نے ان کی اصلاح میں دکھائے ہیں، عرب کے لوگ وحشی تھے درندے تھے۔ جان کی انہیں پرواہ نہ ہوتی تھی۔ اگر مذہب اسلام فی الحقیقت [illegible] اسلام نہ رہ سکتا تھا۔ تو ان کی اصلاح کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ تلوار چلانے کی انہیں پہلے سے خوب مشق اور عادت تھی۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم نے کیا کیا۔ پہلے ان کی تلواروں کو توڑا۔ انہیں کہا کہ تلوار کی تمہیں ضرورت نہیں، دکھ اٹھاؤ، تکلیف اٹھاؤ۔ ماریں کھاؤ اور مقابلہ نہ کرو۔ یہ تو بجائے خود ایک معجزہ تھا۔ کہ اس قدر درندوں کو بے ضرر [illegible] کی صورت میں بدل دیا۔ اور جب وہ تلوار چلانا بھول گئے۔ اور وہ شدت ان میں نہ رہی۔ اور وہ یہ حالت ہو گئی کہ کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم۔ قتال کا حکم ہوتا ہے، اور وہ مشقت معلوم ہوتی ہے، تو پھر ان میں مقابلہ اور شدت کا رنگ پیدا کر دیا۔ پہلے انہیں حجروں میں بٹھایا۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح دی پھر ان کو کہا کہ چلو اب دشمن کا مقابلہ کرو۔ یہ دو معجزے نبی کریم صلعم نے دکھائے۔ اور اگر صحابہ کرامؓ کی اس طرز زندگی کو دیکھو جس کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ تو اس میں بھی یہی دو معجزے نظر آتے ہیں۔ میں خلافت راشدہ کے زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلام کی شوکت و سطوت کا زمانہ ہے، جب دشمن کے مقابلہ میں اشداء علی الکفار کا پہلو روشن ہوا اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا زمانہ رحماء بینھم کا زمانہ ہے۔ جب آپس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ یہ لوگوں کو غلطی لگی ہے، کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران اور شام پر مسلمانوں نے حملہ کیا۔ اس کی ابتداء دراصل ان دونوں سلطنتوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ اس وقت جب رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد ملک عرب میں بغاوت پھیلی۔ تو ایران نے اسی وقت اپنی فوجیں عرب میں باغیوں کی امداد کے لئے بھیجی تھیں۔ دوسری بات ہوئی کہ ایران ہی کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ جہاں سے سجاح نامی مدعیہ نبوت کھڑی ہوئی۔ اور ایام بغاوت عرب میں مدینہ پر چڑھائی کے لئے نکلی۔ یہاں تک کہ ملک عرب کے وسط تک پہنچ گئی۔ اور ایران نے مسلمانوں کے خلاف اسے مدد دی۔ تیسری شکل یہ پیش آئی۔ کہ شام میں بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بھی ان تیاریوں کی خبر سنکر تبوک پر جانا پڑا تھا۔ اور پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسامہ بن زید کی ماتحتی میں ایک لشکر تیار کیا تو ایک طرف ملک عرب میں بغاوت تھی۔ دوسری طرف شام کا خطرہ تھا۔ ادھر ایران نے حملہ کر دیا۔ یہ مسلمانوں کی ہمت آزمائی کا وقت تھا کہ یا وہ کفار کے عظیم الشان اجتماع کے سامنے دب جاتے ہیں۔ اور ہمت ہار دیتے ہیں۔ اس وقت اشداء علی الکفار کا اصلی رنگ نظر آتا ہے۔ ادھر بغاوت فرو ہوتی ہے، اور ادھر ایران اور شام پر حملہ کی تیاریاں ہو جاتی ہیں تا کہ دشمن کو سر اٹھانے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ اگر وہ اس وقت حملہ نہ کرتے۔ تو یقینی تھا کہ یہ دونوں سلطنتیں جو پہل کر چکی تھیں مسلمانوں کو کچل دیتیں۔ یہ لوگ کوئی تسبیح خواں ملا نہ تھے۔ کہ انہیں دنیا و ما فیہا کی کوئی خبر نہ ہوتی۔ وہ اپنی سرحدوں کی خبر رکھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ اگر خبر نہ لی۔ تو دشمن حملہ آور ہو کر تباہ کر دیں گے۔ کوئی بڑی فوج پاس نہ تھی، ملک میں ابھی بغاوت ہو چکی تھی۔ اور ان لوگوں کو جو بغاوت کر چکے تھے، فوج میں بھرتی کرنے کا حکم نہ تھا۔ ایک ہی وقت میں دو عظیم الشان سلطنتوں کا اس وقت کی دنیا کی عظیم ترین طاقتوں کا مقابلہ ہے، اور شرائط کیا ہیں جو ان کے سفیر لڑائی شروع ہو چکنے کے بعد پیش کرتے ہیں۔ وہ جا کر کہتے ہیں۔ یہ تو ہمارا مذہب ہے جسے تم تباہ کرنا چاہتے ہو۔ یا تو اس کو مان لو۔ پھر ہمیں تم پر اعتماد ہے، اگر یہ نہیں تو اطاعت اختیار کرو اور جزیہ دو۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ ایک سفیر نے یہی بات ایران کے بادشاہ سے کہی۔ بالمقابل کیا جواب ملا۔ وہ عربوں کو مزدور سمجھتے تھے۔ اس لئے کہا۔ مٹی کا ٹوکرا بھر کر لاؤ۔ اور اس کے سر پر رکھدو۔ چنانچہ ٹوکرا لا کر اس کے سر پر رکھا گیا۔ وہ بھی بڑے سمجھدار تھے۔ وہ ٹوکرا لے کر بھاگ گئے کہ انہوں نے ایران کی زمین خود ہمارے حوالہ کر دی ہے،

تو باوجود اس حیثیت کے جو غیر قوموں کی نظروں میں ان کی تھی باوجود اس کے کہ طاقت میں ان کا کوئی مقابلہ نہ تھا، پھر بھی ان سے مطالبہ یہ کرتے ہیں۔ کہ جب تک شکست کھا کر اطاعت اختیار نہ کرو۔ ہم لڑائی کو بند نہیں کریں گے، وہ جانتے تھے کہ یہ دین اسلام کے دل سے بدخواہ ہیں۔ اور اگر ذرا بھی موقعہ ملا۔ تو تباہ کر کے چھوڑیں گے، اس لئے یہ مطالبہ کیا۔ کہ مسلمان ہو جاؤ۔ تو کوئی جھگڑا تم سے نہیں رہے گا۔ یہ تھا اشداء علی الکفار کا پہلو جو پہلی دو خلافتوں میں نظر آتا ہے، اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب مسلمانوں میں باہم لڑائی ہوئی۔ تو انہوں نے اپنا سر دے دینا پسند کیا لیکن مسلمانوں کا خون بہانا گوارا نہ کیا۔ تاریخ اس بات پر کھلے طور پر شاہد ہے، کہ کس طرح سے مسلمانوں میں جنگ اور فساد کو ان دونو حضرات نے روکنا چاہا۔ غرض صحابہؓ کی تاریخ کے اندر دو پہلو صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ اشداء علی الکفار کا پہلو بھی ہے اور رحماء بینھم کا بھی لیکن آج حالات کچھ ایسے ہیں، کہ مسلمانوں نے ان دونوں صفات کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ آج بھی ان دونوں پہلوؤں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اگر آج اسلام کا غلبہ چاہتے ہو۔ اگر لیظھرہ علی الدین کلہ کا نظارہ دیکھنا چاہتے ہو تو۔ انہی دونوں پہلوؤں کے اختیار کرنے سے پورا ہو سکتا ہے، آج تمہیں کفار کس رنگ میں دبانا چاہتے ہیں۔ اس رنگ میں کہ مسلمانوں کو اسلام سے پھیر کر اپنے دین میں لے جائیں۔ عیسائیوں، آریوں کی نہیں سب فرقوں کی کوشش اسی طرف لگی ہوئی ہے، کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے پھیر دیں۔ تو جس رنگ میں وہ تمہیں دبانا چاہتے ہیں۔ تم بھی اسی رنگ میں ان کا مقابلہ کرو۔ اگر وہ اپنے ساز و سامان سے تم پر غلبہ پانا چاہتے ہیں۔ تو تم اپنے کمزور ہاتھوں سے دکھا دو کہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کا وعدہ سچا ہے۔ یہ تو اشداء علی الکفار کا پہلو ہے، جس میں اسلام کی ترقی مضمر ہے، اور دوسرا پہلو رحماء بینھم

کا یہ چاہتا ہے۔ کہ آپس میں اخوت اور محبت کا برتاؤ ہونا چاہیئے۔ یہ تکفیر کی بیماری جو اس وقت پائی جاتی ہے اس نے مسلمانوں کی اخوت اور محبت اور باہمی ہمدردی کو باقی نہیں رہنے دیا۔ خلفائے راشدین نے اس اخوت کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی تھی، خوارج علی الاعلان حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں کو کافر کہتے تھے۔ اس لئے کہ حضرت علیؓ معاویہؓ کو بوجہ اس کی بغاوت کے کافر کیوں قرار نہیں دیتے۔ لیکن انہوں نے کہا اخواننا بغوعلینا ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہم پر بغاوت کی ہے، خود خوارج کو بھی حضرت علیؓ نے مسلمان ہی کہا۔ اور ان پر پہلے تلوار نہیں اٹھائی۔ تکفیر کا مرض پیدا کرنے والی یہی خارجی قوم تھی۔ حضرت علیؓ نے ان کو یہی کہا تھا۔ کہ جب تک تم فتنہ نہ کرو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، چنانچہ نہروان کے مقام پر اس وقت لڑائی ہوئی۔ جب انہوں نے مسلمانوں کو واقعی قتل کر دیا۔

غرض رحماء بینھم کے پہلو میں بھی مسلمانوں نے غلطی کھائی ہے ہمارے جو سرکردہ علما ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں طاقت کوئی نہیں۔ گھروں کے اندر چھپے بیٹھے ہیں۔ کوئی مقابلہ انہیں نہیں کرنا آتا۔ پچھلے سال جمعیت العلماء کا خط آیا تھا کہ ہمیں کچھ آدمی تیار کرنے کی ضرورت ہے، مولوی عبدالحق صاحب کو دو سال کے لئے ہمیں دے دیں۔ اور السلام علیکم سے خط کو شروع نہ کر سکے گویا کافر بھی قرار دیتے ہیں اور پھر اپنے عمل سے بتاتے ہیں کہ کافروں کے مقابلہ کے لئے اگر کوئی قوم ہے تو یہی چھوٹی سی قوم ہے یہ حال ہے ان کا کفار کے مقابلہ میں اشداء علی الکفار کا پہلو بھی گیا۔ اور رحماء بینھم کا بھی نعمت اللہ خاں کا قتل رحماء بینھم کا نقشہ ہے، میں تو اس کو اپنے لئے ایک بڑی مفید چیز سمجھتا ہوں خوب یاد رکھو۔ ہمارے اندر کوئی طاقت پیدا نہ ہوتی۔ اگر اس زور سے ہماری مخالفت نہ کی جاتی۔ مخالفت پیش آنے پر ہم میں بھی اپنے آپ کو کھڑا کرنے کی طاقت ہوئی لیکن ...... یہ بیماری مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک ہے، یہ اس حد تک پہنچ گئی ہے، کہ ذرا ذرا سے اختلاف پر ایک دوسرے کو کافر ٹھیرانے کو تیار رہیں۔ آج کون مولوی ہے جس کو کسی دوسرے سے ادنےٰ سا اختلاف ہو، اور وہ اسے کافر بنانے کے لئے تیار نہیں۔ ایک اہلحدیث مولوی صاحب لیکچر دے رہے تھے۔ کہ کس طرح سے ادنےٰ سے اختلاف پر مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کو افغانستان سے نکالا گیا۔ میں نے کہا، شکر کرو سنگسار نہیں کیا گیا، مگر آج یہی اہلحدیث احمدیوں کے سنگسار ہونے پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ غرض اشداء علی الکفار رحماء بینھم میں اسلام کی ترقی کا راز تھا، آج اس راز کو اگر کسی نے کھولا ہے، تو میں یقین دلاتا ہوں۔ کہ مرزا غلام احمد نے کھولا ہے، انہی دو پہلوؤں کو لے کر آپ نے ایک جماعت بنائی۔ یہ غلط ہے کہ آپ نے کوئی فرقہ بنایا۔ خوب غور کر کے دیکھ لو ایک گاؤں کا رہنے والا کہیں بدھ مذہب کے بالمقابل لکھتا ہے کہیں ہندو مذہب، کہیں عیسائیت وغیرہ کا مقابلہ کرتا ہے، یہ کیوں اس لئے کہ اشداء علی الکفار کا پہلو روشن کرنا تھا، اگر ان دونوں پہلوؤں کو نہ لیتا۔ تو اسلام کا کام نہ چل سکتا تھا۔ اشداء علی الکفار کا وہ رنگ ہے کہ کسی مذہب کو بھی نہیں چھوڑا جس پر اسلام کی فوقیت ثابت نہیں کی۔ اور رحماء بینھم کا وہ رنگ ہے، کہ اگر ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو بھی کافر نہیں کہنا اور سب سے بڑی وجہ اسلام کی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اس کے پڑھنے والے کو کافر کہنا آپ نے ہرگز جائز نہیں ٹھیرایا۔ جب مخالفین نے آپ کو کافر کہا تو ان کو کیا جواب دیا۔ کہا کہ آؤ جس طرح کسی دوسرے کو مسلمان کرتے ہو۔ مجھے بھی کر لو، اگلے دن علیگڑھ میں میرے لیکچر کا مضمون یہ تجویز کیا گیا، کہ مسلمانوں میں کوئی کافر نہیں، ایک صاحب نے کہا کہ اور کوئی کافر ہو نہ ہو۔ آپ تو ہیں۔ میں نے کہا میں تھوڑی دیر کے لئے مان لیتا ہوں۔ کہ جیسا ہمارے علما کہتے ہیں میں کافر ہوں اب اور جس طرح کسی کافر کو مسلمان کرتے ہو۔ مجھے بھی مسلمان کر لو، لیکن وہ شخص آئے جس نے کسی کافر کو مسلمان بنایا ہو، جو کلمہ پڑھا کر تم کسی کافر کو مسلمان کرتے ہو۔ وہی میں پڑھتا ہوں۔ کون ہے جس کے ہاتھ میں ٹکٹ ہو .... اور وہ اسلام کے اندر نہ آسکے، ایک اونٹ سے ٹکٹ کے ساتھ ایک احاطہ میں تم داخل ہو جاتے ہو، اس قرآن نے حق دے دیا ہے اسلام کے اندر داخل ہونے کا، کمزوریاں ہوں۔ نقص ہوں، سب کچھ ہو لیکن اسلام سے نکالا نہیں جا سکتا۔ جب تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے،

آج جس قدر نقصان دشمن اسلام کو پہنچا رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے علما اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ آج اسلام کی کیا تصویر دشمنوں نے کھینچی ہے، یہی کہ اسلام ایسا مذہب ہے۔ جو تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ اور ابھی امام مہدی آکر تلوار سے اسلام کو غالب کر دے گا۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس خیال کو جگہ دے کر درپردہ عیسائیوں کو مدد دے رہے ہیں۔ اگر واقعی وہ اس طریق کو صحیح سمجھتے ہیں۔ تو انہیں چاہیئے کہ عیسائیوں کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں اسلام کی دو تصویریں اس وقت پیش کی جاتی ہیں۔ ایک میں اسلام کی صورت۔ ایک سیاہ رو دیو کی ہے۔ کہ وہ کھانے کو اور مارنے کو تیار ہے۔ اور ایک دوسری تصویر ہے جو اس زمانہ کے مجدد نے پیش کی ہے، اس کو ایک خوبصورت معشوق کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اب تم یہ فیصلہ کر سکتے ہو۔ کہ کس گروہ کے ساتھ تمہیں ہونا چاہیئے کیا اس سیاہ رو دیو کی صورت کے ساتھ ہو کر اسلام کی بدنامی کا موجب ہونا چاہتے ہو۔ یا اس خوبصورت تصویر کے ساتھ جو مجدد وقت نے پیش کی ہے، مرتد کو واجب القتل قرار دینے میں اسلام کی شوکت تو تم نے فرض کر لی لیکن ان سے پوچھو جن کے سامنے اس کو پیش کرتے ہو۔ آیا وہ اسے شوکت سمجھتے ہیں۔ یا پرلے درجہ کی تنگ دلی۔ اگر ہمارے سامنے عیسائی مذہب ہندو مذہب کا وہی نقشہ کھینچا جائے۔ جو ہمارے علما اسلام کا پیش کرتے ہیں، تو تم اس سے کس قدر نفرت کرو گے، یہی حال اس اسلام کا ہو رہا ہے۔ جس کا ایسا نقشہ مخالفین کے آگے پیش کیا جاتا ہے پھر کہتے ہیں۔ کہ دو فریق ہو گئے ہیں۔ کس کے ساتھ ہوں، چلو اسی کے اوپر فیصلہ کر لو۔ کہ ان دونوں میں رحماء بینھم پر کون عامل ہے، کیا یہ معنے ہوں گے رحماء بینھم کے کہ وہ چند آدمی جو ایک فریق کے ساتھ ہیں مسلمان ہیں اور باقی کل دنیا کے مسلمان خارج از اسلام؟ دونوں کے حالات کو دیکھ لو۔ اگر ایک فریق کو دیکھتے ہو۔ کہ رحماء بینھم کے نقشہ کے خلاف کر رہے ہیں۔ تو اس کو چھوڑ دو۔ اور اس کا ساتھ دو، جو اس رنگ کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے، دیکھو اس شخص کی اولاد جس کی ساٹھ یا اسی تصنیفات غیر مذاہب کے مقابلہ میں ہوں۔ جو سلطان القلم ہو کیوں آج اس رنگ کو چھوڑ بیٹھی ہے، اس کی قلمیں کیوں آج غیر مذاہب کے مقابلہ میں نہیں اٹھتیں۔ اشداء علی الکفار کا تو یہ تقاضا تھا۔ کہ آج کفار کا مقابلہ کیا جاتا۔ سلطان القلم کا بیٹا قلم سے غیر مذاہب کا مقابلہ کرتا لیکن آج ولایت کے اخباروں میں چھپتا ہے کہ میاں صاحب نے کہا ہے، کہ عیسائی کافر نہیں یہ ولایت کے اخباروں نے ان کی طرف منسوب کیا ہے کہ عیسائیوں کے متعلق انہوں نے کہا۔

They are not infidels

وہ عیسائی کافر نہیں ہیں مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی۔ اگر حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے، تو تم نے تو گویا عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ان کا مقابلہ کیا کرنا ہے،

اس لئے ایک ہی گروہ ہے، جس میں اشداء علی الکفار کا پہلو غالب ہے۔ ...... خوب یاد رکھو کہ اگر اس کی طرف سے نہیں آتے۔ جو مرزا نے پیش کیا ہے۔ اگر اس راہ کو اختیار نہیں کرو جو اس مجدد وقت نے بتائی ہے۔ تو کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے جب تک اس جماعت کے ساتھ نہ ہو گے۔ اپنے طور پر کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس جماعت کا ساتھ دو نظام اور جماعت کے بغیر کام سرے نہیں چڑھ سکتا۔ ....

...... یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کی توفیق ملی ہے تو ان لوگوں کو نہیں ملی۔ جو الگ رہتے ہیں۔ بات موٹی اور سیدھی ہے کہ وہ تصویر اسلام کی جو ہمارے علما نے پیش کی ہے۔ اور جس سے اس کی صورت نہایت مکروہ نظر آتی ہے۔ آیا وہ صحیح ہے یا وہ جو مجدد وقت نے پیش کی ہے، اور ان دونوں میں سے کس کے قبول کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اگر اسلام کی تصویر وہی ہے، جس کو مجدد وقت نے پیش کیا ہے، تو اس کے ساتھ ہو جاؤ۔ ... تاکہ وہ دنیا میں غالب ہو جائے